جامعہ اسلامیہ دار العلوم آمبور کی پہلی اشاعت

مسائلِ عشرہ

جامعہ ہذا کے طلبۂ شعبۂ افتاء مفتی محمد انس پلمنیر اور مفتی محمد عقیل آمبور (سن ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۰۲۵ء) نے قرآن وحدیث اور کتب فقہ وفتاویٰ کی روشنی میں دس اہم مسائل پر اپنی تحقیق اور ان کا حل پیش کیا ہے۔

زیر سرپرستی

حضرت مفتی محمد صلاح الدین صاحب قاسمی مدظلہ

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم، آمبور)

زیر نگرانی

اساتذۂ شعبۂ افتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ اسلامیہ دار العلوم آمبور کی پہلی اشاعت

مسائلِ عشرہ

جامعہ ہذا کے طلبۂ شعبۂ افتاء مفتی محمد انس پلمنیر اور مفتی محمد عقیل آمبور (سن ۱۴۴٦ھ مطابق ۲۰۲۵ء) نے قرآن وحدیث اور کتب فقہ وفتاویٰ کی روشنی میں دس اہم مسائل پر اپنی تحقیق اور ان کا حل پیش کیا ہے۔

زیر سرپرستی

حضرت مفتی محمد صلاح الدین صاحب قاسمی مدظلہ

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم، آمبور)

زیر نگرانی

اساتذۂ شعبۂ افتاء

فہرست مضامین

نمبرشمار	عناوین	صفحہ
	عرضِ حال	۴
۱	نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال	۵
۲	نمازی کے سامنے سے گزرنے کے مسائل	۷
۳	کرسی پر نماز پڑھنے کے مسائل	۱۲
۴	مسجد کے اہم اور ضروری احکام	۱۷
۵	مسبوق کے احکام	۲۱
۶	برائلر(Broiler)مرغی کو گرم پانی میں ڈالنے کا حکم	۲۵
۷	رہن(Lease)پر گھر لینے کا حکم	۲۷
۸	مفسداتِ نماز کے چند ضروری مسائل	۳۲
۹	تجارت کرنے کے اصول وضوابط	۳۶
۱۰	شرکت(Partnership)کی قسمیں اور ان کے احکام	۳۸

عرضِ حال

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین محمد خاتم النبیین، وعلی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین۔ أما بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق ومہربانی سے امسال (۴۶-۱۴۴۵ھ مطابق ۲۵-۲۰۲۴ء) ہمارے یہاں شعبۂ افتاء کا قیام عمل میں آیا، جس میں طلبۂ عزیز نے اسباق کی پابندی کی اور محنت سے تمرینات لکھیں، تقریباً دو مہینے پہلے حضرت مفتی محمد صلاح الدین صاحب قاسمی مدظلہ (بانی ومہتمم جامعہ ہٰذا) کے مشورے سے طے ہوا کہ طلبہ کی حوصلہ افزائی اور ان کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرنے کے لیے نیز عام لوگوں کے فائدہ کے لیے چند تحقیقی فتاویٰ طلبہ سے لکھوائے جائیں، چناں چہ دس عناوین کا انتخاب کیا گیا جس پر مولوی محمد انس سلمہ اور مولوی محمد عقیل سلمہ نے سوال وجواب کی شکل میں باحوالہ اور مدلل فتاوے لکھے، لیکن نو آموز فضلاء کی تحریر میں زبان وبیان کی کمزوریوں کا ہونا بہت ممکن ہے، اِس لیے تصحیح اور نظرِ ثانی کے لیے شعبۂ ہٰذا کے سرپرستِ محترم حضرت مفتی محمد طاہر صاحب دامت برکاتہم (مفتی واستاذِ حدیث جامعہ مظاہرِ علوم، سہارنپور) کی خدمتِ عالیہ میں سہارنپور بھیجا گیا، اور خود حضرت مہتمم صاحب نے اسے ملاحظہ فرمایا اور اصلاحات فرمائیں، ان تصحیحات کی روشنی میں اساتذۂ افتاء نے تصحیح وغیرہ دیگر امور انجام دے کر اس کو آخری مرحلے تک پہونچایا، اس طرح یہ عجالۂ نافعہ اب آپ کے سامنے ہے، اہلِ علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی یا خامی نظر آئے تو مطلع فرماکر احسان فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ طلبۂ کرام کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور اس شعبے کے ذریعے اپنے دینِ متین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین **وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ أجمعین۔**

اساتذۂ شعبۂ افتاء (۱۰؍ شعبان ۱۴۴۶ھ مطابق ۱۱؍ فروری ۲۰۲۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

سوال: بلا ضرورت نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا، اسی طرح لاؤڈ اسپیکر کی آواز ضرورت سے زائد رکھنا کیسا ہے؟ مثلا نمازِ فجر وغیرہ میں لاؤڈ اسپیکر کے بغیر بھی آواز نمازیوں تک پہنچ سکتی ہے پھر بھی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا شرعا کیسا ہے؟

جواب: لاؤڈ اسپیکر کا استعمال اس وقت جبکہ امام کی آواز بآسانی تمام مقتدیوں تک پہنچ جاتی ہو تو مکروہ ہے، خواہ وہ کسی بھی وقت کی نماز ہو، اسی طرح ضرورت سے زائد لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو بلند رکھنا بھی مکروہ ہے۔(۱)

سوال: مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے حکومت کی اسکیموں کا اعلان کرنا جیسے آدھار یا راشن کارڈ کے متعلق اعلان کرنا، اسی طرح گم شدہ چیزوں کا اعلان کرنا اور کسی کی موت کا اعلان کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے حکومت کی اسکیموں کا اعلان کرنا اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ مسجد سے باہر یہ اعلانات ہوں تاکہ مسجد میں دنیوی امور کی انجام دہی لازم نہ آئے، البتہ کسی کی موت کا اعلان کرنا جائز ہے کیونکہ وہ بھی دینی اعلان ہے، اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ کسی گم شدہ چیز کے اعلان کے سلسلہ میں قدرے تفصیل ہے، اگر گم شدہ چیز مسجد کے باہر گم ہوئی ہو تو اس کا اعلان مسجد میں کرنا جائز نہیں ہے، ہاں جو چیز مسجد میں گم ہوئی ہو تو اس کا اعلان مسجد میں کرنا جائز ہے۔(۲)

فتاوی عثمانی میں ہے ”اصل یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مسجد کی اشیاءِ موقوفہ کو مسجد کی ضروریات کے علاوہ استعمال نہ کیا جائے، البتہ جو اشیاء مسجد پر وقف نہ ہوں، انہیں چندہ دینے والوں کی اجازت سے کسی اور مقصد میں استعمال کر سکتے ہیں، چونکہ جو لوگ مسجد

میں لاؤڈ اسپیکر وقف کرتے ہیں، ان کی طرف سے اس کی اجازت معتاد و متعارف ہے، اور اس معاملے میں مدار عرف و عادت ہی پر ہے، اس لئے مذکورہ مقاصد میں استعمال کی گنجائش ہے"۔ (فتاوی عثمانی ج/٢، ص/٥١٤، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے: "مسجد عبادت گاہ ہے، اس لئے جو چیز مسجد سے باہر گم ہوگئی ہو تو اس کا علان مسجد میں کرنا جائز نہیں ہے، البتہ جو چیز مسجد میں گم ہوگئی ہو تو اس کا اعلان مسجد کے اندر بھی مرخص (گنجائش) ہے"۔ (فتاوی حقانیہ، ج/٥، ص/٩٥، مکتبۃ الحق ممبئ)

(١)فی الدر: یجهر الإمام وجوبا بحسب الجماعة فإن زاد علیه أساء۔ (الدر مع الرد، ج/٢، ص/٢٤٩، فصل فی القراءۃ، دار عالم الکتب، بیروت)وفی الدر: وسننها رفع الیدین للتحریمة .....وجهر الامام بالتکبیر بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال۔ وفی الرد:قوله (بقدر حاجته للإعلام الخ) وإن زاد کره۔ (الرد علی الدر، ج/٢، ص/٢٠٧، مطلب فی قولہم الاساءۃ دون الکراہۃ)وإذا جهر الإمام فوق حاجة الناس فقد أساء لأن الإمام إنما یجهر لإسماع القوم لیدبروا فی قراءته۔ (الفتاوی الہندیۃ، ج/١، ص/١٢٩، الفصل الثانی فی واجبات الصلاۃ، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

(٢)ولو وقف علی دهن السراج للمسجد لایجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین ویجوز إلی ثلث اللیل أو نصفه إذا احتیج إلیه للصلاة فیه کذافي السراج الوهاج، ولایجوز أن یترک فیه کل اللیل إلا فی موضع جرت العادة فیه بذلک کمسجدبیت المقدس ومسجد النبی ﷺ والمسجد الحرام أو شرط الواقف ترکه فیه کل اللیل کما جرت العادة به فی زماننا۔ (الفتاوی الہندیۃ، ج/٥، ص/٤٢٠، ہکذا فی البحر الرائق، ج/٥، ص/٤٢٠، فصل فی احکام المسجد، دارا لکتب العلمیۃ)فی الدر: ویکره الإعطاء مطلقا وقیل ان تخطی وإنشاد ضالة۔وفی الرد: قوله وانشاد ضالة هی الشئ الضائع وإنشادها السوال عنها وفی الحدیث إذا رأیتم من ینشد ضالة فی المسجد فقولوا لا ردها الله علیک۔

(الرد علی الدر، ج/٢، ص/٤٣٣، فصل فی احکام المسجد، دار عالم الکتب، بیروت)

(۲) نمازی کے سامنے سے گزرنے کے مسائل

سوال: نمازی کے سامنے سے گزرنا کیسا ہے؟

جواب: سترہ کے بغیر نمازی کے آگے سے جان بوجھ کر گزرنا مکروہِ تحریمی اور گناہ کا باعث ہے، کیونکہ احادیث میں نمازی کے آگے گزرنے والے کے لیے وعیدیں آئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر یہ جان لے کہ اس کی سزا کیا ہے تو اس کے لیے نمازی کے آگے سے گزرنے کے مقابلے میں چالیس (سال) کھڑا رہنا بہتر ہو گا۔

عن بسر بن سعيد ان زيد بن خالد ارسله الى ابي جهيم يسأله ماذا سمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم في المار بين يديه المصلي فقال ابو جهيم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه لكان ان يقف اربعين خير اله من ان يمر بين يديه۔ فقال ابو النظر لا ادري قال اربعين يوما او شهرا او سنة۔

(صحیح بخاری، باب المار بین یدی المصلی، رقم:۴۸۸)

اس روایت میں صراحت کے ساتھ ۴۰/سال کی مدت کا ذکر نہیں ہے، لیکن مسندِ بزار کی روایت میں ۴۰/سال کا لفظ مذکور ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

عن سالم ابي النظر عن بسر بن سعيد قال ارسلني ابو جهيم الى زيد بن خالد أساله عن المار بين يدي المصلي فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه لكان أن يقوم اربعين خريفا خير اله من ان يمر بين يديه۔

(مسند البزار، ج/۹، ص/۲۳۹، مکتبۃ العلوم والحکم)

اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم

میں کا کوئی یہ جان لیتا کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کا کیا گناہ ہے تو سو سال وہیں کھڑے رہنے کو نمازی کے آگے گزرنے سے بہتر خیال کرتا۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم لو يعلم احد كم ماله في ان يمر بين يدي اخيه في الصلاة كان لأن يقيم مائة عام خير له من الخطوة التي خطاها۔

(سنن ابن ماجہ، باب المرور بين يدی المصلی ج/۱، ص/۳۵۰، المکتبۃ الاسلامیۃ)

بہر حال ان سب روایتوں سے نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ کبیرہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔(۱)

سوال: بعض لوگ نمازی کے آگے ہاتھ کر دیتے ہیں پھر گزرنے والا اس ہاتھ کے آگے سے گزر جاتا ہے، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

جواب: اگر مصلی کے آگے ایک شرعی گز یعنی ۱۸/ اِنچ کے برابر اونچی اور کم از کم ایک انگلی کے برابر موٹی کوئی چیز ہو تو اس کے سامنے سے گزرنا درست ہے، البتہ حضراتِ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ مستقل ہونا چاہئے، اس لئے گذرنے والے کے لئے محض ہاتھ کا سترہ کافی نہیں ہوگا۔

سوال: اسی طرح بعض مساجد میں اندر کے حصے میں دائیں بائیں یا دونوں جانب گزرنے کے لیے جگہ چھوڑ دی جاتی ہے اور کبھی اس جگہ میٹ بچھا دیا جاتا ہے کیا اس طرح جگہ چھوڑنا درست ہے؟

جواب: کتاب بنام چند اہم عصری مسائل (مؤلفہ حضرت مفتی زین الاسلام صاحب دامت برکاتہم) میں اس کا جواب یوں لکھا گیا ہے جس کی عبارت بعینہ درجِ ذیل ہے:

"اس صورت کا حکم کتبِ فقہ میں تلاش بسیار کے بعد نہیں مل سکا، البتہ احادیث اور فقہاء کی تصریحات میں پہلی صف کو مکمل کرنے کی بہت تاکید آئی ہے اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کے فضائل بھی کثرت سے وارد ہوئے ہیں اس لیے اصل حکم یہ ہے کہ پہلی

صف کو مکمل کرنے کے بعد ہی دوسری صف لگائی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اگلی صفوں میں نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل ہو سکے“۔

(چند اہم عصری مسائل، ج ر ۲، ص ر ۱۵۷، دار العلوم دیوبند)

لہٰذا اگلی صف میں جگہ رہتے ہوئے دوسری صف شروع کرنے کو مکروہ لکھا ہے، اس لئے میٹ بچھانا کراہت سے خالی نہیں ہے۔(۲)

سوال : عام مساجد میں نمازی کے آگے سے کتنی مسافت پر گزر سکتے ہیں؟

جواب : اگر مسجد مسجدِ کبیر ہو اور اس کی لمبائی محراب سے صحن کی طرف کم از کم ۴۰ ر شرعی گز یعنی ۶۰ ر فٹ ہو(۳) اور چوڑائی بھی اسی تناسب سے ہو۔(چند اہم عصری مسائل، ج ر ۲، ص ر ۱۴۸) تو ایسی مسجد میں اتنے آگے سے گزرنا کہ نمازی اگر اپنی نگاہیں سجدے کی جگہ مرکوز رکھیں تو گزرنے والا اس کو نظر نہ آئے (یعنی جس کا اندازہ نمازی کے کھڑے ہونے کی جگہ سے تین صف آگے تک کیا گیا ہے) تو درست ہے لیکن اگر مسجد ذکر کردہ پیمائش سے کم ہو تو اس مسجد میں نمازی کے آگے سے گزرنا کسی بھی حال میں درست نہیں ہے۔

سوال : اور بتلائیں کہ اس جیسے سترے کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کیسا ہے جبکہ بیچ والا حصہ مستقل مستقر نہیں ہے؟

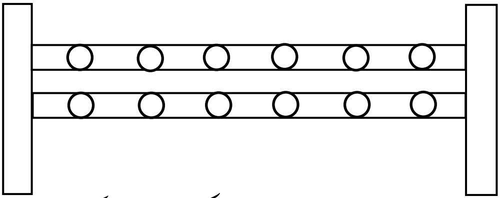

جواب : اس جیسے سترے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا درست ہے کیونکہ سارا سترہ ایک ہی چیز کے حکم میں ہے۔(۴)

کتاب النوازل میں ہے: اگر یہ سترہ لکڑی وغیرہ کا بنا ہوا فریم ہے تو یہ پورا فریم خواہ ٹھوس ہو یا درمیان میں سلاخوں سے بنایا گیا ہو شئ واحد کے حکم میں ہے اگر یہ ڈیڑھ فٹ

کے بقدر اونچا ہے تو سترے کے لیے کافی ہے۔ (کتاب النوازل، ج/۴، ص/۴۶۶)

نیز فتاویٰ محمودیہ میں ہے: اگر جنگلہ کی سلاخیں مسجد کی زمین سے ایک ہاتھ یعنی دو بالشت کی مقدار اونچی ہیں، نیز انگلی کے برابر موٹی ہیں، تو مردوں اور عورتوں کو اس کے سامنے سے گذرنا جبکہ مسجد میں سے جنگلہ کے برابر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، خواہ تنہا ہو یا جماعت کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ، ج/۶، ص/۶۹۴، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

سوال: اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے اپنا رومال حائل کر کے نکل جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

سترہ صحیح ہونے کے جو شرائط ہیں رومال آگے کر کے گزرنے کی صورت میں وہ نہیں پائے جاتے اس لئے رومال آگے کر کے نمازی کے آگے سے گزرنا درست نہیں ہے۔

(۱) قلت الابهام ههنا من الراوي وفي نفس الامر العدد معين الاترى كيف تعين فيما رواه ابن ماجة من حديث ابي هريرة لكان ان يقف مائة عام الحديث كما ذكرنا وكذا عين في مسند البزار من طريق سفيان بن عيينه لكان ان يقف اربعين خريفا... ذكر ما يستفاد منه من الاحكام فيه ان المرور بين يدي المصلي مذموم وفاعله مرتكب الاثم وقال النووي فيه دليل على تحريم المرور فان في الحديث النهي الأكيد والوعيد الشديد فيدل على ذلك فعلى ما ذكره ينبغي ان المرور بين يدي المصلي من الكبائر ويعد من ذلك۔

(عمدۃ القاری ج/۳، ص/۵۹۴، زکریا بکڈپو ومثلہ فی الدر المختار علی الرد ج/۴، ص/۱۱۴، مکتبۃ الاتحاد دیوبند)

(۲) كره كقيامه فی صف خلف صف فيه فرجة۔

(رد المحتار علی الدر، باب الامامۃ، مطلب فی الکلام علی الصف الاول، ج/۲، ص/۳۷۴)

(۳) في الدر: ومرور مار في الصحراء او في مسجد كبير بموضع سجوده في الاصح او مروره بين يديه الى حائط القبلة في بيت ومسجد صغير وفی رد المحتار (قوله: ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعا وقيل من أربعين وهو المختار كما أشار إليه فی

الجواهر۔وفی الدر: فانه كبقعة واحدة مطلقا...في الرد قوله في الاصح هو ما اختاره شمس الائمة وقاضی خان وصاحب الهداية ورجحه في النهاية والفتح انه قدر ما يقع بصره على المار لو صلى بخشوع ای راميا ببصره الى موضع سجوده وقوله الى حائط القبلة ای من موضع قدميه الى الحائط ان لم يكن له سترة فلو كانت لا يضر المرور وراءها۔ (الرد علی الدر، کتاب الصلاۃ، باب الاستخلاف، ج/ ۲، ص/ ۴۷۹ مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

ولو مر مار في موضع سجوده لا تفسد وان اثم وتكلموا في الموضع الذي يكره المرور فيه والاصح انه موضع صلاته من قدمه الى موضع سجوده قال مشائخنا اذا صلى راميا ببصره الى موضع سجوده فلم يقع بصره عليه لم يكره وهو الصحيح ....هذا حكم الصحراء فان كان المسجد ان كان بينهما حائل كانسان او اسطوانة لا يكره وان لم يكن بينهما حائل والمسجد صغير كره في اي مكان كان والمسجد الكبير كالصحراء كذا في الكافي۔

(الفتاوی الہندیہ، ج/ ۱، ص/ ۱۶۲، مکتبہ اشرفیہ دیوبند، البحر الرائق، ج/ ۲، ص/ ۲۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴)في الدر ويغرز ندبا بدائع...الامام وكذا المنفرد في الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع طولا وغلظ اصبع، في الرد قوله نحوها قال في البحر عن الحلية انما قيد بالصحراء لانها المحل الذي يقع فيه المرور غالبا والا فالظاهر كراهة ترك السترة فيما يخاف فيه المرور اي موضع كان۔ (الرد علی الدر، ج/ ۲، ص/ ۴۸۴، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

(۵)في الدر وإن أثم المار في ذلك المرور لو بلا حائل ولو ستارة ترتفع اذا سجد وتعود اذا قام، في الرد قوله ولو ستارة ترتفع...وصورته ان تكون الستارة من ثوب اونحوه معلقة في سقف مثلا ثم يصلي قريبا منه فاذا سجد تقع على ظهره ويكون سجوده خارجا عنها واذا قام او قعد سبلت على الارض وسترته۔ (الرد علی الدر، ج/ ۲، ص/ ۳۹۹، دار عالم الکتب بیروت)

(۳) کرسی پر نماز پڑھنے کے مسائل

سوال : وہ کون سے اعذار ہیں جن کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے ؟

جواب : قیام (کھڑا ہونا) فرض اور واجب نمازوں میں فرض ہے، اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی، البتہ درجِ ذیل اعذار کی صورت میں کھڑا ہونا ساقط ہو جائے گا، اور زمین یا کرسی پر نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے، وہ اعذار یہ ہیں:

اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہو کہ اس کی وجہ سے تھوڑی دیر بھی قیام کے ساتھ ساتھ سجدہ پر قادر نہ ہو یا صرف قیام کی قدرت رکھتا ہو لیکن زمین پر بیٹھ کر سجدہ کرنے سے عاجز ہو یا کھڑے ہو کر پڑھنے کی صورت میں بیماری کے بڑھنے کا یا شفایابی میں تاخیر ہونے کا یا ناقابلِ برداشت تکلیف ہونے کا ظنِ غالب ہو تو ایسے شخص کے لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے، اگر مرض معمولی ہو جس کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں کسی سخت تکلیف کا سامنا نہ ہو یعنی معمولی تکلیف ہو تو پھر ایسی صورت میں فرض اور واجب نماز میں قیام کو ترک کر کے کرسی پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور اس کی نماز نہیں ہو گی۔(۱)

سوال : کرسی پر بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنے کا صحیح طریقہ تحریر کریں؟

جواب : کرسی پر نماز پڑھنے والے کے لئے رکوع کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پیشانی کو گھٹنے کے مقابل کرے، رکوع اور سجدہ میں دونوں ہاتھ رانوں ہی پر رکھے، رکوع اور سجدہ کے اشارے کے لئے ہاتھوں کو آگے لے جانے کی ضرورت نہیں ہے، بعض لوگ رکوع اور سجدہ کے اشارے میں فرق کرتے ہوئے سجدے کے اشارے میں فرق کرتے ہوئے سجدے کے اشارے میں دونوں ہاتھ آگے لے جاتے ہیں یہ غلط ہے، دونوں کا اشارہ صرف سر کے جھکانے سے ہوتا ہے ۔(۲) **ولو کان یصلی قاعدا ینبغی ان یحاذی جبھته قدام رکبتیه**

لیحصل الرکوع قلت ولعلہ محمول علی تمام الرکوع والا فقد علمت حصولہ باصل طاطاۃ الراس ای مع انحناء الظہر (شامی ۲/۱۳۴)

سوال: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بعض لوگ قیام کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور باقی ارکان بیٹھ کر ادا کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب: اگر رکوع سجدہ زمین پر ادا نہ کر سکے تو قیام ساقط ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں کرسی پر یا بغیر کرسی کے جس طرح ممکن ہو نماز پڑھے اور رکوع سجدہ اشارہ سے کرلے، اس صورت میں بعض ارکان کرسی پر اور بعض بغیر کرسی کے ادا کرنے میں بھی حرج نہیں ہے۔

سوال: ایک شخص زمین پر بیٹھ کر سجدے کے ساتھ یا اشارے کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے اس کے لیے کرسی پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: جو شخص زمین پر بیٹھ کر سجدے کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے تو پھر اس کے لیے کرسی پر نماز پڑھنا بالکل جائز نہیں ہے، لیکن اگر عذر کی وجہ سے سجدے کو بھی اشارے سے ادا کر رہا ہو تو پھر اس کے لیے کرسی پر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ وہ تب بھی زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرے کیونکہ یہ صورت سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے۔(۲)

سوال: مسجدوں میں نمازیوں کے آنے سے پہلے کرسیاں لگانا کیسا ہے؟

جواب: مسجدوں میں نمازیوں کے آنے سے پہلے کرسیاں لگانا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ کرسی رکھی جانے والی جگہ خالی رہ جائے گی جو کہ خلافِ سنت ہے۔ فتاوی رحیمیہ میں ہے: ”جو لوگ حقیقت میں معذور ہوں اور کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتے ہوں وہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں، ایسے معذورین اپنے طور پر کرسی کا انتظام کریں یہ ذمہ داری خود ان کی ہے، مسجد کے متولی اور خدام کی ذمہ داری نہیں ہے، پہلے سے کرسیاں رکھ دینے سے غیر معذورین بھی اس پر نماز پڑھیں گے اور ان کی نماز صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا یہ طریقہ مناسب نہیں ہے، قابلِ ترک ہے“۔ (فتاوی رحیمیہ ج/۴، ص/۱۶۷، مکتبہ دار الاشاعت، دیوبند)(۳)

سوال : کرسیاں مسجد کے کس حصے میں لگانی چاہئیں ؟صف کے کنارے دائیں یا بائیں یا پیچھے یا درمیانی صف میں ؟

جواب : اگر صف کا درمیانہ حصہ خالی رہنے کا خوف نہ ہو تو کرسی پر نماز پڑھنے والا شخص اپنی کرسی صف کے کنارے دائیں یا بائیں جانب لگائے تا کہ اس کے درمیانی صف میں کرسی لگانے سے صف کی بے ترتیبی کی وجہ سے لوگوں کو پریشانی نہ ہو، لیکن اگر صف کا درمیانہ حصہ خالی رہنے کا خوف ہو تو جہاں پر صف ختم ہو رہی ہو وہیں اپنی کرسی لگالے اس لیے کہ صف میں کچھ جگہ خالی چھوڑ کر کھڑے ہونا بھی مکروہ ہے۔(۴)

کتاب النوازل میں ہے :"کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا صف میں مل کر نماز پڑھ سکتا ہے ،صف سے ہٹ کر کونے میں نماز پڑھنا اس کے لئے ضروری نہیں ہے البتہ اگر صف میں خالی جگہ رہنے کا خطرہ نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا کنارہ پر کھڑا ہو تا کہ صفوں میں ظاہری انقطاع محسوس نہ ہو"۔(کتاب النوازل،ج/۵،ص/۴۹۱)

سوال : کرسی اگر خالی ہو تو صف مکمل ہو گی یا نہیں؟اور دوسری صف شروع کرنا کیسا ہے؟

جواب : اگر کرسی خالی ہو تو ایسی صورت میں صف مکمل نہیں ہو گی لہذا آنے والا شخص اس کرسی کو اٹھا کر وہاں کھڑا ہو جائے اور کرسی کے خالی رہتے ہوئے دوسری صف شروع کرنا مکروہ ہے۔(۵)

(۱)فی الدر: من تعذر علیه القیام ای کله لمرض حقیقی و حده ان یلحقه بالقیام ضرر به یفتی قبلها او فیها ای الفریضة او حکمی بان خاف زیادته او بطء برءه بقیامه او دوران رأسه او وجد لقیامه الما شدیدا صلی قاعدا .....برکوع وسجود وان قدر علی بعض القیام ولو متکئا علی عصا او حائط قام لزوما بقدر مایقدر ولو قدر اٰیة وتکبیرة...، وان تعذرا (أی الرکوع والسجود) لیس تعذرهما شرطا بل تعذر السجود کاف لا القیام أومأ...قاعدا،وفی الرد :قوله (بل تعذر السجود کاف)...وفی الذخیرة رجل بحلقه

خراج إن سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام و القراءة يصلى قاعدا يؤمى، ولو صلى قائما بركوع وقعد و اوماء بالسجود اجزاه والاول افضل لان القيام والركوع لم يشرعا قربة بنفسهما بل ليكونا وسيلتين الى السجود وقوله اوما قاعدا لان ركنية القيام للتوصل الى السجود فلايجب دونه۔ اقول التعبير بصلى قاعدا هو ما في الهداية والقدورى وغيرهما واما ما ذكره من افتراض القيام فلم اره لغيره فيما عندي من كتب المذهب بل كلهم متفقون على التعليل بان القيام سقط لانه وسيلة الى السجود۔

(الدر مع الرد ج ۲، ص ۵۶۴، دار عالم الکتب، بیروت)

اذا عجز المريض عن القيام صلى قاعدا يركع ويسجد.... واصح الاقاويل في تفسير العجز ان يلحقه بالقيام ضرر وعليه الفتوى...وكذلك اذا خاف زياده المرض او ابطاء البرء بالقيام او دوران الراس او يجد وجعا لذلك فان لحقه نوع مشقة لم يجز ترك ذلك القيام وكذا لو عجز عن الركوع والسجود وقدر على القيام فالمستحب ان يصلي قاعدا بايماء وان صلى قائما بايماء جاز عندنا ۔(الفتاوی الهندیة ج ۱، ص ۱۹۶، المکتبة الاشرفیة، البحر الرائق ج ۲، ص ۱۹۷، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲)في الدر وان تعذرا بل تعذر السجود كاف اوما قاعدا وهو افضل من الايماء قائما بقربه من الارض ويجعل سجوده اخفض من ركوعه لزوما۔ في الرد قوله بل تعذر السجود كاف....قال في البحر ولم ارما اذا تعذر الركوع دون السجود وكانه غير واقع انتهى اى لانه متى عجز عن الركوع عجز عن السجود.. نهر.. قال ح اقول على فرض تصوره ينبغي ان لا يسقط لان الركوع وسيلة اليه ولا يسقط المقصود عند تعذر الوسيلة كما لم يسقط الركوع والسجود عند تعذر القيام۔ قوله لقربه من الارض اى فيكون اشبه بالسجود۔(الرد مع الدر ج ۲، ص ۶۸۴، المکتبة الاشرفیة، دیوبند) قال الحلبي بقي ما لو قدر على السجود وعجز عن الركوع قال في النهر: وهذا لا يتصور فان من عجز عن الركوع اقول على فرض

تصورہ ینبغي ان لا یسقط لان الرکوع وسیلة الیه ولا یسقط المقصد عند تعذر الوسیلة کما لا یسقط الرکوع والسجود عند تعذر القیام۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدرج/۱، ص/۳۱۸، مکتبۃ الاتحاد، دیوبند)

وان عجز عن القیام والرکوع والسجود وقدر علی القعود یصلي قاعدا بایماء ویجعل السجود اخفض من الرکوع۔ (الفتاوی الہندیۃ ج/۱، ص/۱۹۶، المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)

(۳) وینبغي للقوم اذا قاموا الی الصلاۃ ان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا بین مناکبهم في الصفوف ولا باس ان یامرهم الامام بذلك وینبغي ان یکملو ما یلي الامام من الصفوف ثم ما یلي ما یلیه وهلم جرا۔ (البحر الرائق ج/۱، ص/۶۱۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الفتاوی الہندیۃ، ج/۱، ص/۹۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(۴) قال في المعراج: الافضل ان یقف في الصف الآخر اذا خاف ایذاء احد قال علیه الصلاۃ والسلام من ترك الصف الاول مخافة ان یؤذي مسلما اضعف له اجر الصف الاول وبه اخذ ابو حنیفة ومحمد رحمهما الله وفي کراهة ترك الصف الاول مع امکانه خلاف، انتهی اي لو ترکه مع عدم خوف الایذاء وهذا لو قبل الشروع فلو شرعوا وفي الصف الاول فرجة له خرق الصفوف کما یاتي قریبا، هل الکراهه فیه تنزیهیة او تحریمیة ویرشد الی الثاني قوله علیه الصلاه والسلام ومن قطعه قطعه الله۔ (الرد علی الدر، ج/۳، ص/۵۵۹، تحشیہ فرفور، بیروت) وجد في الصف الاول فرجة دون الثاني فله ان یصلي في الصف الاول ویخرق الثاني لانه لا حرمة له لتقصیرهم حیث لم یسدوا الصف الاول۔

(البحر الرائق، ج/۱، ص/۶۱۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

(۵) وینبغي للقوم اذا قاموا الی الصلاۃ ان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا بین مناکبهم في الصفوف۔ (الفتاوی الہندیۃ، ج/۱، ص/۱۴۶، مکتبہ اشرفیہ دیوبند، البحر الرائق، ج/۱، ص/۶۱۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) وکذا یکره للمقتدي ان یقوم خلف الصفوف وحده اذا وجد فرجة في الصفوف۔ (الفتاوی الہندیۃ، ج/۱، ص/۱۶۶، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

(۴) مسجد کے اہم اور ضروری احکام

اسلامی معاشرے میں مسجد کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا اور فرمایا کہ جو شخص نماز قائم کرتا ہے وہ دین کو قائم کرتا ہے اور جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے وہ دین کے بنیادی ستونوں کو توڑتا ہے، چونکہ وہی نماز اللہ کے یہاں صحیح معنی میں مقبول ہے جو نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے،اور جو نماز گھر کے اندر پڑھ لی جائے اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ادائے قاصر کہا جاتا ہے یعنی وہ نماز ناقص ہے، نماز کی کامل ادائیگی یہ ہے کہ انسان جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرے،اور مسجد کی عظمت کا مقتضی یہ ہے اس میں جو شخص داخل ہو ہیبت و عظمت اور خشوع و خضوع کے ساتھ داخل ہو، جیسے کسی شاہی دربار میں داخل ہوتے ہیں، لہٰذا ذیل میں چند ضروری مسائل واحکام درج کئے جاتے ہیں:

سوال: شریعت میں مسجد کس کو کہتے ہیں؟

جواب: مسجد ایسی زمین اور ایسی جگہ کا نام ہے جس کو کسی مسلمان نے اللہ کی خاص عبادت فرض نماز ادا کرنے کے لیے وقف کر دیا ہو، اس پر عمارت، درو دیوار اور چھت یا چھپر کا ہونا شرط نہیں، مذہبِ حنفیہ کی معروف و معتبر مستند کتاب طحطاوی شرح در مختار میں ہے: واعلم أنه لایشترط فی تحقق کونه مسجدا البناء۔

(طحطاوی ج ر ۲، ص ر ۵۳۶، قاضی خان، ج ر ۴، ص ر ۱۳۷)

سوال: مسجد میں بلند آواز سے ذکر اور تلاوت وغیرہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اوقاتِ نماز میں جبکہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز میں

خلل ڈالنے کی ایک حیثیت سے ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے، اس لیے حضرات فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے، ہاں جب مسجد عام نمازیوں سے خالی ہو اس وقت ذکر یا تلاوت جہری کا مضائقہ نہیں ہے۔(مستفاد از جواہر الفقہ ج/۳، ص/۱۱۶)(۱)

سوال: مسجد میں دنیوی باتیں کرنا کیسا ہے؟

جواب : جو دنیا کی باتیں خارجِ مسجد جائز اور مباح ہیں مسجد میں وہ بھی ناجائز ہیں، اور جو باتیں خارجِ مسجد میں بھی ناجائز ہوں وہ مسجد میں سخت حرام ہیں، فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کو اس طرح کھالیتی ہیں جس طرح آگ لکڑیوں کو کھالیتی ہے، اور خزانۃ الفقہ میں لکھا ہے جو شخص مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے ۴۰/سال کی عبادت حبط کر دیتا ہے۔(مستفاد از جواہر الفقہ، ج/۳، ص/۱۱۵)

سوال: مسجد کی دیواروں پر آیت قرانی لکھنا کیسا ہے؟

جواب : مسجد کے اندرونی اور بیرونی حصے میں قرآن شریف اور قابلِ تعظیم اشیاء لکھنا بے ادبی کے احتمال کی وجہ سے مکروہ ہے۔(۲)

سوال: مسجد کو گذر گاہ بنانا کیسا ہے؟

جواب : مسجد کو گذر گاہ بنانا جائز نہیں ہے، حتی الامکان اِس سے بچنا ضروری ہے۔(۳)

سوال : دنیاوی یا کاروباری معاملات کی ترقی کے تعلق سے مسجد میں میٹنگ منعقد کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب : مسجد میں خاص دنیاوی یا کاروباری معاملات وغیرہ کے متعلق میٹنگ رکھنا اور خاص اُن امور پر تبادلہ ٔخیال کرنا مسجد میں جائز نہیں ہے۔(۴)

(۱)ویکره الإعطاء مطلقا وقیل إن تخطی أو إنشاد ضالة أو شعر إلا ما فیه ذکر ورفع صوت بذکر إلا المتفقهة،و في الرد قوله ورفع صوت بذکر إلی اخره أقول اضطرب کلام صاحب البزازیة في ذلك فتاواه قال إنه حرام وتارة قال إنه جائز وفي

الفتاوی الخيرية من الكراهية و الاستحسان جاء في الحديث مقتضى طلب الجهر به نحو وان ذكرني في ملإ ذكرته في ملإ خير منهم رواه الشيخان وهناك أحاديث اقتضت طلب الإسرار والجمع بينهما بأن ذلك يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال كما جمع بذلك بين أحاديث الجهر والإخفاء بالقراءة، ولا يعرض ذلك حديث خير الذكر الخفي لأنه حيث خيف الرياء او تأذى المصلين أو النيام، فإن خلا مما ذكر فقال بعض أهل العلم إن الجهر أفضل لأنه اكثر عملا، ولتعدى فائدته إلى السامعين ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه إلى الفكر ويصرف سمعه إليه ويطرد النوم ويزيد النشاط اھ ملخصا، وتمام الكلام هناك فراجعه، وفي حاشية الحموى عن الإمام الشعراني أجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها، إلا أن يشوش جهرهم على نائم او مصل او قارىء...الخ۔ (الدر مع الرد، کتاب الصلاۃ، مطلب فی رفع الصوت بالذکر، ج۲ص ۵۲۴ المکتبۃ الاشرفیہ، دیوبند)

(۲)ولا ينبغي الكتابة على جدرانه قال فى البحر وكذا يكره كتابة الرقاع والصاقها بالأبواب لما فيه من الإهانة وفيه من النهاية ليس بمستحسن كتابة القرآن على المحراب والجدران لما يخاف من سقوط الكتابة وأن توطأ۔ (طحطاوی علی الدر المختار، ج۱، ص۴۴۰)قوله ولاينبغي الكتابة على جدرانه أى خوفا من أن تسقط وتوطأ۔ (شامی، کتاب الصلاۃ، مطلب فی رفع الصوت بالذکر ج۲ص۵۲۸)ولو كتب القرآن على الحيطان والجدران، بعضهم قالوا يرجى أن يجوز وبعضهم كرهوا ذلک مخافة السقوط تحت أقدام الناس۔

(الفتاوی الهندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد، ج۵، ص۳۷۴)

(۳)لايتخذ طريقا فى المسجد يكون له بابان فيدخل من هذا ويخرج من ذلک۔ (الفتاوی الهندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد، ج۵، ص۳۷۱)وكره تحريما...واتخاذه طريقا بغير عذر۔ (الدر مع الرد، کتاب الصلاۃ، مطلب فی احکام المسجد، ج۵، ص۵۱۷، المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند)

(۴)عن الحسن مرسلا قال قال رسول الله ﷺ يأتى على الناس زمان يكون

حديثهم فى مساجدهم فى أمور دنياهم فلاتجالسوهم فليس لله فيهم حاجة۔(مشکوۃ المصابیح، باب المسجد، ص/ ۷۱، دارالکتاب دیوبند) **الجلوس فى المسجد للحديث لايباح بالاتفاق، لأن المسجد مابنى لأمور الدنيا۔**(الفتاوی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، ج/ ۵، ص/ ۳۷۲) **والكلام المباح وقيده فى الظهيرية بأن يجلس لأجله فإنه حينئذ لايباح بالاتفاق لأن المسجدمابنى لأمور الدنيا۔**(الدر مع الرد۔ کتاب الصلاة، مطلب فی احکام المسجد، ج/ ۲، ص/ ۵۲۷، المکتبة الاشرفیہ، دیوبند) **ومماتقدم من حال أهل الصفة أن الامر الممنوع منه كالنوم والأكل لايتناوله المنع لكن فيهم أنهم وإن كانوا ياكلون وينامون بعددخولهم فهم غير ممنوعين عن ذلك لأننا جوزنالهم ذلك لتحقق الضرورة فيهم وهى الفقر فلايقال فى حق غيرهم كذلك إلافى الكلام فالكل مستوون فى حكمه۔**(تحشیة فرفور علی الشامیة ج/ ۴، ص/ ۳۱۸، مکتبة الاتحاد دیوبند)۔

(۵) مسبوق کے احکام

سوال : مسبوق کسے کہتے ہیں؟

جواب : مسبوق وہ شخص ہے جو جماعت میں شروع سے شریک نہ ہو بلکہ اس کی کوئی رکعت چھوٹ گئی ہو۔(۱)

سوال : مسبوق چھوٹی ہوئی رکعتوں کو کیسے ادا کرے گا؟ اس کی کیا شکل ہو گی؟ نیز اپنی رکعت کے شروع میں ثنا پڑھے گا یا نہیں؟ بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

جواب : جماعت سے رکعتیں چھوٹنے کی تین صورتیں ہیں:

اگر ایک رکعت چھوٹ جائے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق سلام پھیرے بغیر کھڑا ہو جائے، اور سب سے پہلے ثنا پڑھے، پھر تعوذ تسمیہ پڑھنے کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے اور کوئی سورت ملائے، اور اپنی نماز مکمل کرے، یہ صورت دو رکعت، تین رکعت اور چار رکعت والی نمازوں میں جاری ہو گی۔

اگر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت چھوٹ گئی ہو تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ثنا پڑھے، پھر تعوذ وتسمیہ پڑھے، پھر سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت ملائے، اور رکوع سجدہ کر کے کھڑا ہو جائے، پھر دوسری رکعت میں تسمیہ، سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت ملا کر رکوع سجدہ اور قعدۂ اخیرہ کر کے سلام پھیرے اور اپنی نماز مکمل کر لے۔(۲)

اگر تین رکعت والی فرض نماز (مغرب) میں دو رکعت چھوٹ جائے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر ثنا پڑھے، پھر تسمیہ کے بعد سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھ کر رکوع سجدہ اور قعدہ میں بیٹھے، التحیات پڑھ کر دوبارہ کھڑا ہو جائے، پھر بسم اللہ، سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھنے کے بعد قاعدۂ اخیرہ میں بیٹھے، بیٹھ کر دعا وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر

دے اور اپنی نماز مکمل کرے۔(۳)

اگر تین رکعت چھوٹ جائیں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے، ثنا، تسمیہ، سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ کر رکوع سجدہ اور قاعدہ کرے، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، اس میں تسمیہ سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھ کر رکوع سجدہ کرے، پھر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے، اور تیسری رکعت میں تسمیہ پڑھ کر صرف سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر رکوع سجدہ کرے، پھر قعدۂ اخیرہ کر کے اپنی نماز مکمل کرلے۔(۴)

سوال: مسبوق امام کے ساتھ قاعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف اور دعا پڑھے گا یا خاموش رہے گا؟

جواب: مسبوق امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف اور دعا نہ پڑھے، بلکہ التحیات کو اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھے کہ امام کے سلام پھیرنے تک ختم ہو جائے اور اگر پہلے ہی ختم ہو جائے تو شہادت اشھدان لا الہ الا اللہ پڑھتا رہے یا چپ بیٹھا رہے۔(۵)

سوال: مسبوق بھولے سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر مسبوق بھول کر دونوں طرف سلام پھیر دیا، حالانکہ ابھی رکعت باقی ہے، اگر قبلے کی طرف سے سینہ پھیرنے اور کسی مفسدِ صلاۃ کے ارتکاب کرنے سے پہلے فوراً یاد آجائے تو بقیہ نماز سجدۂ سہو کے ساتھ پوری کرلے تو نماز درست ہو جائے گی، یہی حکم ایک طرف سلام پھیرنے کی صورت میں ہے۔(مستفاد از فتاوی محمودیہ، ج/۱۰ص/۴۰۶)(٦)

(۱)**المسبوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها وهو منفرد**۔(الدر المختار، باب الامامۃ، مطلب فی احکام المسبوق، ج/۴ص/۴۱۷، المکتبۃ الاشرفیہ، دیوبند)**المسبوق من لم يدرك الركعة الأولى مع الإمام**۔(الفتاوی الہندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس، الفصل السابع فی المسبوق، ج/۱، ص/۱۴۹، المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)**المسبوق فهو من لم يدرك الركعة الأولى مع الإمام وفاته بعد الشروع ركعة او اكثر**

ر كعة۔(البحر الرائق، باب الامامة، ج/۱، ص/۶۲۳، دار الكتاب ديوبند)

(۲)ولو ادرك ركعتين قضى ركعتين بقراءة۔(الفتاوى البزازية ج/۱۰ ص/۴۲، المكتبة الاشرفية، ديوبند)ولو أدرك ركعتين يلزمه القراءة فيما يقضي ولو تركهما في إحداهما فسدت۔
(غنية المتملي في شرح منية المصلي، ج/۲، ص/۴۱۷، مكتبة الجامعة الاسلامية دار العلوم ديوبند)۔

(۳) لو أدرك ركعة من المغرب قضى ركعتين وفصل بقعدة فيكون بثلاث قعدات وقرأ في كل فاتحة وسورة۔(الفتاوى البزازية ج/۱۰، ص/۴۱، مكتبه اشرفيه، ديوبند)ولو أدرك مع الإمام ركعة من المغرب فإنه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد في أولاهما لأنها ثنائية۔(غنية المتملي في شرح منية المصلي جلد/۲ ص/۴۱۷، مكتبه دار العلوم ديوبند)

(۴) ولو أدرك ركعة من ذوات الاربع صلى ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم صلى أخرى بفاتحة وسورة ولا يشهد۔(البزازيه ج/۱۰، ص/۴۲، المكتبة الاشرفيه، ديوبند)لو أدرك ركعة من الرباعية فعليه أن يقضي ركعة ويقرأ فيها الفاتحة والسورة ويقعد لأنه يقضي اخر صلاته في حق القعدة وحينئذ فهي ثانية ويقضى ركعة يقرأ فيها كذلك ولا يقعد وفي الثالثة يتخير والقراءة أفضل۔(غنية المتملي في شرح منية المصلي ج/۲، ص/۴۱۷، مكتبه دار العلوم ديوبند)

(۵)ومنها أن المسبوق ببعض الركعات يتابع الإمام في التشهد الأخير وإذا أتم التشهد لا يشتغل بما بعده من الدعوات ثم ماذا يفعل؟ تكلموا فيه وعن ابن شجاع أنه يكرر التشهد أي: قوله أشهد أن لا إله إلا الله وهو المختار كذا في الغياثية، والصحيح أن المسبوق يترسل في التشهد حتى يفرغ عند سلام الإمام۔(الهندية، كتاب الصلاة، الباب السابع في المسبوق ج/۱ ص/۱۴۹، المكتبة الاشرفيه، ديوبند)إن المسبوق اذا قعد مع الإمام كيف يفعل؟اختلفوا فيه والصحيح أنه يترسل في التشهد حتى يفرغ من التشهد عند سلام الإمام ۔(فتاوى قاضى خان، ج/۷، ص/۶۶، المكتبة الاشرفيه، ديوبند)

(۶)والمسبوق يسجد مع إمامه قيد بالسجود لأنه لايتابعه في السلام بل

يسجدمعه ويتشهد فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء، فإن كان عامدا فسدت، والالا، ولا سجود عليه إن سلم سهوا قبل الإمام أو معه وإن سلم بعده لزمه لكونه منفرداحينئذ بحر۔(در مختار مع الشامية، باب سجود السہو، ج/ ۲، ص/ ۶۵۹ المكتبة الاشرفيہ ديوبند) **ومنهاأنه يتابع الإمام في السهو لايتابع في التسليم... فإن تابعه في التسليم... فسدت الصلاة۔**(الفتاوى الہنديہ، كتاب الصلاة، الفصل السابع فى المسبوق واللاحق ج/ ۱، ص/ ۱۵۰، مكتبہ دار الكتاب ديوبند وہكذا فى بدائع الصنائع، فصل فى بيان من يجب سجود السہو ومن لايجب عليہ، ج/ ۱، ص/ ۴۲۲، مكتبہ دار الكتاب ديوبند)

(۲) برائلر(Broiler)مرغی کو گرم پانی میں ڈالنے کا حکم

سوال : برائلر مرغی جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس کو حرام غذا دی جاتی ہے، اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : برائلر مرغی کا کھانا جائز ہے، کیونکہ نجاست وغیرہ کا کوئی اثر مثلاً بدبو وغیرہ اس کے گوشت میں ظاہر نہیں ہوتا، جیسا کہ عام مرغیاں بھی کبھی کیڑے مکوڑے کھالیتی ہیں پھر بھی اُن کا کھانا جائز ہے۔(۱)

سوال: مرغی کو گرم پانی میں ڈال کر اس کے پر نکالتے ہیں، ایسی مرغی کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی احتیاط کرے تو کیا حکم ہے؟ کیا وہ حلال کو حرام کرنے والا شمار ہوگا؟ اور کیا ابتلائے عام کی وجہ سے امام ابویوسفؒ کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟

جواب : ہمارے علاقے میں مرغی کو گرم پانی میں ڈال کر پر نکالنے کا طریقہ آج کل جو رائج ہے، اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مرغی کو کھولتے ہوئے پانی میں ڈال کر اتنی دیر چھوڑ دیا جائے کہ جس سے وہ پانی مرغ میں سرایت کر جائے تو اُس مرغی کا کھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر مرغی کو گرم پانی میں اتنی دیر نہ چھوڑا جائے کہ پانی سرایت کرلے تو اس کو اچھی طرح تین مرتبہ دھونے کے بعد کھانا جائز ہے، اور اس سلسلے میں امام ابویوسفؒ کی جو روایت ہے (کہ اگر مرغ میں نجاست سرایت کر جائے تو مرغی کو تین مرتبہ دھونے اور ہر مرتبہ اچھی طرح سکھانے سے وہ پاک ہو جائے گا) محض ابتلائے عام کو بنیاد بنا کر ظاہر روایت سے عدول کر کے اس روایت پر فتوی نہیں دیا جاسکتا، نیز اس پر عمل بھی دشوار ہے۔

نوٹ: محققین نے سرایت کر جانے کی تحدید دو منٹ سے کی ہے، لیکن عام طور پر اس معاملے میں بڑی غفلت برتی جاتی ہے، دکاندار گاہکوں میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ

اس تحدید کا پاس و لحاظ نہیں کر پاتے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ایسی اسکین آؤٹ (Skinout) مرغی خریدی جائے جسے گرم پانی میں نہ ڈالا گیا ہو، تاکہ مشتبہ چیز کے کھانے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جاسکے۔(۲)

(۱)ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير لأن لحمه لا يتغير وما غذي به يصير مستهلكا لا يبقى له أثر۔(الرد علی الدر، ج۹، ص۴۱۴، کتاب الحظر والاباحۃ، داراحیاء التراث العربی) والتي تخلط بان تتناول النجاسة والجيف وتتناول غيرها على وجه لا يظهر اثر ذلك في لحمها فلا بأس بحلها...ولهذا قالوا لا بأس باكل الدجاج تخلط ولا يتغير لحمه۔

(البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ، فصل فی الاکل والشرب، ج۸، ص۳۳۵ دار الکتاب دیوبند)

(۲)لو ألقيت دجاجة حالة غليان الماء قبل أن يشق بطنها لتنتف أو كرش قبل أن يغسل إن وصل الماء إلى حد الغليان ومكثت فيه بعد ذلك زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم لا تطهر أبدا..... وإن لم يصل الماء إلى حد الغليان أو لم تترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى سطح الجلد لانحلال مسام السطح عن الريش والصوف تطهر بالغسل ثلاثا كما حققه الكمال۔(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص۱۶۰، دار الکتاب دیوبند)

وكذا دجاجة ملقاة حالة غلي الماء للنتف قبل شقها وفي التجنيس حنطة طبخت في خمر لا تطهر ابدا به يفتى۔ وفي الرد قوله وكذا دجاجة الى آخره قال في الفتح: انها لا تطهر ابدا لكن على قول ابي يوسف تطهر والعلة والله أعلم تشربها النجاسة بواسطة الغليان وعليه اشتهر ان اللحم السميط بمصر نجس لكن العلة المذكورة لا تثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم وكل منهما غير متحقق في السميط حيث لا يصل الى حد الغليان ولا يترك فيه الا مقدار ما تصل الحرارة الى ظاهر الجلد لتنحل مسام الصوف بل لو ترك يمنع انقلاع الشعر فالأولى في السميط أن يطهر بالغسل ثلاثا فانهم لا يتحرسون فيه عن المنجس۔(الرد علی الدر، ج۱، ص۵۹۸، مکتبۃ اشرفیہ دیوبند)

(۷) کرایہ (Lease) پر گھر لینے کا حکم

سوال: لیز پر گھر لینے کے لئے موجودہ دور میں جو حیلے کئے جاتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: ان حیلوں کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: مکان کا مالک کرایہ دار سے ڈیپازٹ یا اڈوانس کے نام سے ایک بڑی رقم وصول کرے اور دونوں کے درمیان طے ہو کہ جب تک کرایہ دار مکان میں رہے گا مکان کا مالک ڈیپازٹ کی رقم استعمال کرے گا، اور جب کرایہ دار مکان چھوڑ دے گا تو اُس کی مکمل رقم واپس کر دی جائے گی، اور مکان کا مالک ڈیپازٹ کے علاوہ کرایہ دار سے کرائے کے نام پر کچھ بھی رقم نہ لے گا۔

یہ صورت ازروئے شرع ناجائز ہے، کیونکہ کرائے دار ڈیپازٹ یا اڈوانس کے نام سے جو رقم مکان کے مالک کو دیتا ہے اُس کی حیثیت شرعاً قرض کی ہے، اور مکان کا مالک ایسے قرض ہی کی بنیاد پر مکان کی رہائش فراہم کرتا ہے، جبکہ شریعت میں قرض کا معاملہ خالص عقدِ تبرع ہے، اس کی بنیاد پر مقروض سے کوئی بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، وہ سود کے حکم میں ہوتا ہے۔

دوسری صورت: مکان کا مالک کرایہ دار سے ڈیپازٹ یا اڈوانس کے نام سے ایک بڑی رقم وصول کرے اور کرایہ دار سے ماہانہ کچھ کرایہ بھی وصول کرے، جس کی مقدار مکان کے معروف کرائے سے بہت کم ہو، مثلاً مکان کا کرایہ اس کی مضبوطی و بناوٹ اور جائے وقوع وغیرہ کے لحاظ سے ماہانہ دس ہزار روپیہ ہے، لیکن اڈوانس کی وجہ سے صرف پانچ سو یا ہزار روپیہ لے لے، اس صورت میں یہ بھی طے ہوا کہ جب تک کرایہ دار مکان میں رہے گا، مکان کا مالک ڈیپازٹ کی رقم استعمال کرے گا، اور جب کرایہ دار مکان چھوڑ

جائے گا تو اسے مکمل رقم واپس کر دی جائے گی۔

یہ صورت بھی ازروئے شرع ناجائز ہے، کیونکہ اس صورت میں کرایہ دار کو قرض کی بنا پر مفت رہائش اور ٹھکانہ تو نہیں مل رہا ہے، لیکن کرایہ کی کمی کا فائدہ اسے ضرور حاصل ہو رہا ہے اور قرض کی بنیاد پر مفت رہائش کی شکل میں یا کرائے کی مقدار میں کمی کی شکل میں یا کسی بھی شکل میں کوئی نفع حاصل کرنا شرعاً سود کے حکم میں ہوتا ہے، اس لئے یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

نوٹ: اگر مکان کرائے پر لیا ہوا شخص اجرتِ مثل کے قریب قریب بھی کرایہ ادا کرے یعنی صرف دس یا بیس فیصد کرائے کو کم کرکے کرایہ ادا کرتا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

لہٰذا در مختار میں امام حصکفیؒ نے یہ حوالہ لکھا ہے القرض بالشرط حرام والشرط لغو کسی شرط کے ساتھ قرض کا معاملہ کرنا حرام ہے۔ اور اشباہ کے حوالے سے لکھا ہے کل قرض جر نفعا فھو ربا فکرہ للمرتھن سکنی المرھونۃ باذن المرتھن۔

(الدر المختار ج/۵، ص/۱۶۶، اشرفیہ)

اس لئے گروی رکھے ہوئے مکان میں رہائش اختیار کرنا مکان والے کی اجازت سے بھی مکروہ ہے، علامہ شامیؒ نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر نفع قرض کے معاملے میں مشروط ہو تو حرام ہے۔

عبداللہ بن محمد بن اسلم سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ جو کبار علماء میں سے تھے، ان کا قول نقل کیا ہے کہ مال مرہون سے انتفاع کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے، اگرچہ راہن نے اسے اجازت بھی دے دی ہو، اس لیے کہ یہ سود خوری کی اجازت ہے کیونکہ وہ اپنا قرض وصول کر ہی لے گا، پھر یہ نفع ایک زائد شرط ہے، پس یہ سود ہے۔

(مستفاد از محمود الفتاویٰ، ج/۶، ص/۲۶۳)

سوال : مالکِ مکان کا کرایہ دار سے کچھ رقم اڈوانس میں بطورِ ضمانت لینا اور پھر اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : کرایہ دار سے اڈوانس رقم لینا زرِ ضمانت ہے، اور اس زَرِ ضمانت لینے سے مقصد یہ ہے کہ کرایہ دار بسا اوقات مکان کو نقصان پہنچا دیتا ہے، بعض اوقات بجلی وغیرہ کے واجب الاداء رقم باقی رکھ کر چلا جاتا ہے جو مالکِ مکان کو ادا کرنے پڑتے ہیں، اس کے لئے کرایہ دار سے زَرِ ضمانت رکھوایا جاتا ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ ضمانت کو استعمال کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ: رہن کے تعلق سے بنیادی باتیں :

آج معاشرہ میں رائج "رہن" کا معاملہ ایسا ہے۔ جس میں تقریباً ۹۰ر فیصد لوگ مالِ مرہون سے فائدہ اٹھانے کو مباح اور اپنا حق سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ راہن اور مرتہن کوئی بھی اس کو برا اور ناجائز نہیں سمجھتا، تو اس کی صحیح اسلامی صورت معلوم کرکے عمل کرنے کی آج ضرورت ہے۔ تو جاننا چاہئے کہ "رہن" عربی لفظ ہے اور اس کو اردو زبان میں "گروی" کہتے ہیں۔

رہن کی شرعی تعریف یہ ہے کہ:

کسی مالی شئ جیسے زمین، مکان، دوکان، زیورات، وغیرہ کا دَین (قرض) کے بدلے محبوس کرنا، کہ اس سے یا اس کی قیمت سے مشکل وقت میں (مثلا قرض ادا نہ کرنے یا نقصان کر دینے کی صورت میں) اپنے دَین کی وصولی ممکن ہو۔(۱)

رہن رکھنے والے کو "راہن" ؛ جس نے قرض دیا ہے یعنی جس کے پاس رہن رکھا گیا ہے اس کو "مرتہن" ؛ اور جو چیز رہن رکھی گئی ہے اس کو "شیء مرہون" کہتے ہیں۔

شریعت میں انسانوں کی ضرورت کے لیے رہن کے معاملہ کو جائز اور مباح قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالی کے قول "فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ" کی وجہ سے، تا کہ انسان اپنی پیش آمدہ

ضرورتوں کی تکمیل بہ آسانی کرسکے؛ لیکن اس کے لیے کچھ شرعی حدود بھی ہیں، جن کے اندر رہ کر ہی اس معاملہ کو انجام دینا ہوگا۔ اس کی خلاف ورزی اور حکم عدولی قابلِ مواخذہ ہوگی۔ مثلاً مدتِ دَین کی ایسی تعیین کہ اس سے پہلے راہن کو رہن چھڑانے پر قدرت نہ دینا، مرتہن کا شئ مرہون سے فائدہ اٹھانے کی شرط لگانا وغیرہ۔ یہ ایسی بنیادی خرابیاں ہیں جو عقدِ رہن کے لائق و مناسب نہیں ہیں، لہذا معاملے کو ختم کرنا ضروری ہے۔

پھر اسلامی قانون کے مطابق رہن میں رکھی جانے والی چیز کی حیثیت محض ضمانت کی ہوتی ہے، اور رہن میں رکھے جانے کے بعد بھی وہ شئ مرہون اس کے اصل مالک کی ہی ملک رہتی ہے، البتہ قبضہ مرتہن کا ہوتا ہے۔ نیز اس میں ہونے والا اضافہ بھی مالک کی ملک قرار پاتا ہے۔(۲)

جس کے پاس کوئی چیز رہن رکھی جائے اس کو نہ اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے اور نہ کسی تصرف کا، کیوں کہ اگر اس کو استفادہ کا موقع دیا جائے تو قرض کے عوض مزید فائدہ اٹھانا ہوا، جس کی حدیث پاک میں ممانعت ہے "كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعاً فَهُوَ حَرَامٌ"۔

بہر حال مرتہن کا مال مرہون سے فائدہ اٹھانا یا تو راہن کی اجازت سے ہوگا یا بغیر اجازت کے یا عرف ورواج کے اعتبار سے ہوگا، تمام صورتیں شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں، اجازت کی صورت میں ممنوع اس لیے ہے کہ وہ نفع سود ہے، اور سود اجازت سے بھی حلال نہیں ہوتا، اور بغیر اجازت کے تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔(۳)

اور عرفاً انتفاع اس لیے جائز نہیں ہے کہ معروف مشروط کی طرح ہے اور جو حکم مشروط کا ہے وہی حکم معروف کا ہے۔(۴)

غرض فقہاءِ کرام کے نزدیک کسی بھی صورت میں مالِ مرہون سے فائدہ اٹھانا ربا اور سود ہے، اس لیے رہن کی اشیاء سے مرتہن کے لیے مطلقاً انتفاع جائز نہ ہوگا۔ (شامی ج/۵ ص/۳۱۰، امداد الفتاوی ج/۳، ص/۶۶۰، فتاوی رشیدیہ ص/۵۲۰، فتاوی محمودیہ ج/۱۳، ص/۳۸۳)

(۱)اَلرَهنُ هو حَبسُ شئيٍ مالیٍ بِحَقٍ يُمكِنُ اِستِيفائُه مِنه كَالْدَّينِ۔(در مختار، ج/۵، ص/۳۰۷)هو جعل عين مالية وثيقة بدين يستوفى منها أو من ثمنها اذا تعذر الوفاء۔

(الموسوعة الفقهيه، ج/۲۳، ص/۱۷۵)

(۲)وَنَماءُ الرَّهنِ كَالوَلَدِ وَالثمَرِ وَاللَبَنِ وَالصُوفِ والوَبرِ وَالاَرْشِ وَنَحوِ ذٰلک لِلْرَاهِنِ لِتَوَلُّدِه مِنْ مِلْكِه۔ (در مختار ج/۵، ص/۳۳۵)

(۳)لاَيَحِلُ لَه أنْ يَنْتَفِعَ بِشَئٍ مِنه بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوهِ اِنْ اَذِنَ لَه الْراهِن لأنه اَذِنَ لَه في الْرِبَوا۔ (شامی ج/۵، ص/۳۱۰)

(۴)وَالْغالِبُ مِنْ اَحْوَالِ النَاسِ أنهُمْ اِنمَا يُرِيْدُونَ عِنْدَ الْدَفْعِ اَلانْتِفا عَ وَلَو لَاه لَمَا اَعْطَاه الْدرَاهِمَ وَهٰذا بِمَنْزِلَةِ الْشَرْطِ لِأن الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ وَهُوَ يُعِيْنُ الْمَنعَ۔

(شامی، ج/۵، ص/۳۱۱)

(۸) مفسداتِ نماز کے چند ضروری مسائل

سوال: تکبیر تحریمہ کا صحیح طریقہ کیا ہے نیز تکبیر تحریمہ کی وہ غلطیاں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور وہ غلطیاں جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے وہ کیا ہیں؟

جواب: تکبیر تحریمہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر صحیح ادائیگی کے ساتھ کہے اور دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اس طرح اٹھائے کہ دونوں ہاتھ کانوں کے مقابل ہو جائیں اور ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں۔(۱)

تکبیر تحریمہ کی وہ غلطیاں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یہ ہیں:

* اللہ اکبر کے بجائے اللہ اکبار کہے۔
* اللہ اکبر کے بجائے اللہ کے الف کو کھینچ کر آللہ کہے۔
* اگر اکبر کے الف میں مد کیا یا با میں مد کیا تو اس کی نماز شروع نہیں ہو گی۔

تکبیر تحریمہ کی وہ غلطیاں جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے یہ ہیں:

* اگر اللہ اکبر کے ھا میں مد کیا تو یہ خطا ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہو گی۔
* اور اگر اکبر کے را میں مد کرے یا اللہ کے لام میں مد کرے۔ یا اللہ کے ہاء میں جزم دے تو جائز ہے اس سے نماز فاسد نہیں ہو گی۔(۲)

اگر لفظ اللہ کے لام پر کھڑا زبر کو زیادہ کھینچ دیا تو یہ مکروہ ہے البتہ نماز فاسد نہیں ہو گی۔

سوال: کیا مصلی قراءت میں زبان سے تلفظ کرنا ضروری ہے یا دل میں بھی پڑھ سکتے ہیں؟

جواب : نماز کی ادائیگی میں چاہے منفرد ہو یا امام؛ دل ہی دل میں ہونٹ کو بند کرکے یا پھر صرف زبان سے قرأت کرنے سے نماز نہیں ہوگی کیونکہ قرأت کا رکن ادا ہونے کے لیے شرعاً ضروری ہے کہ حروف کی ادائیگی صحیح طور پر ہو اور حروف کی ادائیگی اور تلفظ ہونٹ کو حرکت دے کر ہی ممکن ہے۔(۳)

سوال: قراءت کی وہ غلطیاں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیا ہیں؟

جواب : نماز کے دوران اگر قرأت میں یا اذکار و تسبیحات میں ایسی بڑی غلطی ہو جائے جس کا اعتقاد رکھنے سے کفر لازم آتا ہے اور نماز میں فوری طور پر اس غلطی کی اصلاح نہ کی جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اسی طرح ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا اور دونوں میں فصل سہولت کے ساتھ ممکن ہو، مثلا صاد کی جگہ طاء پڑھے جیسے الصالحات کی جگہ الطالحات پڑھا۔ اور اگر قریب المخارج حروف میں ردوبدل ہو جائے اور ان دونوں کے معنی میں تغیر پیدا نہ ہو اور دو حروف کے درمیان فصل کرنے میں زیادہ مشقت ہو مثلاً ذ کی جگہ ضؔ پڑھا، طؔ کی جگہ تؔ پڑھا، یا حؔ کی جگہ ھؔ پڑھا، یا دؔ کی جگہ ذؔ پڑھا، تو متاخرین کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی، مگر یہ کہ کوئی شخص قصداً غلط پڑھے تو پھر یقیناً فساد کا حکم لگا دیا جائے گا۔(۴)

(۱) **كما في الدر المختار : ورفع يديه ...ماسا بإبهاميه شحمتي أذنيه هو المراد بالمجازاة۔**(ج/۲، ص/۲۲۲، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

(۲) فِي الْمَبْسُوطِ لَوْ مَدَّ أَلِفَ اللهِ لَا يَصِيرُ شَارِعًا وَخِيفَ عَلَيْهِ الْكُفْرُ إِنْ كَانَ قَاصِدًا وَكَذَا لَوْ مَدَّ أَلِفَ أَكْبَرَ أَوْ بَاءَهُ لَا يَصِيرُ شَارِعًا وَلَوْ مَدَّ هَاءَ اللهِ فَهُوَ خَطَأٌ لُغَةٍ وَكَذَا لَوْ مَدَّ رَاءَهُ وَمَدُّ لَامِ اللهِ صَوَابٌ وَجَزْمُ الْهَاءِ خَطَأٌ. كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ وَإِذَا قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ بِمَدِّ هَمْزَةِ اللهِ أَوْ هَمْزَةِ أَكْبَرَ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ لِمَكَانِ الشَّكِّ وَإِذَا وَسَطَ الْأَلِفَ بَيْنَ الْبَاءِ وَالرَّاءِ قَالَ بَعْضُهُمْ: تَفْسُدُ صَلَاتُهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَفْسُدُ. هَكَذَا فِي النِّهَايَةِ.

(الفتاوی الہندیۃ، ج/۱، ص/۱۳۰، مکتبہ اشرفیہ دیوبند)

(۳) فتاوی عالمگیری میں ہے: وأما حد القراءة فنقول تصحيح الحروف أمر لا بد منه فإن صحح الحروف بلسانه ولم يسمع نفسه لا يجوز وبه أخذ عامة المشايخ هكذا في المحيط وهو المختار. هكذا في السراجية وهو الصحيح. هكذا في النقاية۔

(کتاب الصلاۃ، الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ، الفصل الأول فی فرائض الصلاۃ ۱/ ۱۲۷، ط: المکتبۃ الاشرفیۃ)

فتاوی شامی میں ہے: (وَ) أَدْنَى (الْجَهْرِ إسْمَاعُ غَيْرِهِ وَ) أَدْنَى (الْمُخَافَتَةِ إسْمَاعُ نَفْسِهِ) وَمَنْ بِقُرْبِهِ؛ فَلَوْ سَمِعَ رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ فَلَيْسَ بِجَهْرٍ. قال ابن عابدين: (قَوْلُهُ وَأَدْنَى الْجَهْرِ إسْمَاعُ غَيْرِهِ إلَخْ) اعْلَمْ أَنَّهُمْ اخْتَلَفُوا فِي حَدِّ وُجُودِ الْقِرَاءَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْوَالٍ: فَشَرَطَ الْهِنْدُوَانِيُّ وَالْفَضْلِيُّ لِوُجُودِهَا خُرُوجَ صَوْتٍ يَصِلُ إلَى أُذُنِهِ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ. وَشَرَطَ بِشْرٌ الْمَرِيسِيُّ وَأَحْمَدُ خُرُوجَ الصَّوْتِ مِنْ الْفَمِ وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إلَى أُذُنِهِ، لَكِنْ بِشَرْطِ كَوْنِهِ مَسْمُوعًا فِي الْجُمْلَةِ، حَتَّى لَوْ أَدْنَى أَحَدٌ صِمَاخَهُ إلَى فِيهِ يَسْمَعُ. وَلَمْ يَشْتَرِطْ الْكَرْخِيُّ وَأَبُو بَكْرٍ الْبَلْخِيُّ السَّمَاعَ، وَاكْتَفَيَا بِتَصْحِيحِ الْحُرُوفِ. وَاخْتَارَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ وَقَاضِي خَانْ وَصَاحِبُ الْمُحِيطِ وَالْحَلْوَانِيُّ قَوْلَ الْهِنْدُوَانِيِّ، وَكَذَا فِي مِعْرَاجِ الدِّرَايَةِ. وَنَقَلَ فِي الْمُجْتَبَى عَنْ الْهِنْدُوَانِيِّ أَنَّهُ لَا يُجْزِيهِ مَا لَمْ تَسْمَعْ أُذُنَاهُ وَمَنْ بِقُرْبِهِ، وَهَذَا لَا يُخَالِفُ مَا مَرَّ عَنْ الْهِنْدُوَانِيِّ لِأَنَّ مَا كَانَ مَسْمُوعًا لَهُ يَكُونُ مَسْمُوعًا لِمَنْ فِي قُرْبِهِ كَمَا فِي الْحِلْيَةِ وَالْبَحْرِ. ثُمَّ إنَّهُ اخْتَارَ فِي الْفَتْحِ أَنَّ قَوْلَ الْهِنْدُوَانِيِّ وَبِشْرٍ مُتَّحِدَانِ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الظَّاهِرَ سَمَاعُهُ بَعْدَ وُجُودِ الصَّوْتِ إذَا لَمْ يَكُنْ مَانِعٌ. وَذَكَرَ فِي الْبَحْرِ تَبَعًا لِلْحِلْيَةِ أَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ، بَلْ الْأَقْوَالُ ثَلَاثَةٌ. وَأَيَّدَ الْعَلَّامَةُ خَيْرُ الدِّينِ الرَّمْلِيُّ فِي فَتَاوَاهُ كَلَامَ الْفَتْحِ بِمَا لَا مَزِيدَ عَلَيْهِ، فَارْجِعْ إلَيْهِ. وَذَكَرَ أَنَّ كُلًّا مِنْ قَوْلَيْ الْهِنْدُوَانِيِّ وَالْكَرْخِيِّ مُصَحَّحَانِ، وَأَنَّ مَا قَالَهُ الْهِنْدُوَانِيُّ أَصَحُّ وَأَرْجَحُ لِاعْتِمَادِ أَكْثَرِ عُلَمَائِنَا عَلَيْهِ...... فَقَدْ ظَهَرَ بِهَذَا أَنَّ أَدْنَى الْمُخَافَتَةِ إسْمَاعُ نَفْسِهِ أَوْ مَنْ بِقُرْبِهِ مِنْ رَجُلٍ أَوْ رَجُلَيْنِ مَثَلًا، وَأَعْلَاهَا تَصْحِيحُ الْحُرُوفِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْكَرْخِيِّ، وَلَا تُعْتَبَرُ هُنَا فِي الْأَصَحِّ. وَأَدْنَى الْجَهْرِ إسْمَاعُ غَيْرِهِ مِمَّنْ لَيْسَ بِقُرْبِهِ كَأَهْلِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ، وَأَعْلَاهُ لَا

حَدَّ لَهُ فَافْهَمْ۔(کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل فی القراءۃ:۱/ ۵۳۵، ۵۳۴ ط:سعید)

عنایہ شرحِ ہدایہ میں ہے :(لأن مجرد حركة اللسان بدون الصوت لا تسمى قراءة يعني لا لغة ولا عرفا وفيه نظر، فإن من رأى المصلي الأطروش من بعيد يحرك شفتيه يخبر عنه أنه يقرأ وإن لم يسمع منه شيء۔(کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل فی القراءۃ:۱/ ۳۳۰،ط: دار الفکر، لبنان)

بدائع الصنائع میں ہے:إذ القراءة لا تكون إلا بتحريك اللسان بالحروف ولم يوجد. ألا ترى أن المصلي القادر على القراءة إذا لم يحرك لسانه بالحروف لا تجوز صلاته۔(کتاب الأیمان، فصل فی الحلف علی الإظہار والإفشاء والإعلان ونحوھا:۳/ ۵۵، ط: دار الکتب العلمیۃ)

(۴)(وَمِنْهَا) ذِكْرُ حَرْفٍ مَكَانَ حَرْفٍ إنْ ذَكَرَ حَرْفًا مَكَانَ حَرْفٍ وَلَمْ يُغَيِّرْ الْمَعْنَى بِأَنْ قَرَأَ إنْ الْمُسْلِمُونَ إنْ الظَّالِمُونَ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ وَإِنْ غَيَّرَ الْمَعْنَى فَإِنْ أَمْكَنَ الْفَصْلُ بَيْنَ الْحَرْفَيْنِ مِنْ غَيْرِ مَشَقَّةٍ كَالطَّاءِ مَعَ الصَّادِ فَقَرَأَ الطَّالِحَاتِ مَكَانَ الصَّالِحَاتِ تَفْسُدُ صَلَاتُهُ عِنْدَ الْكُلِّ وَإِنْ كَانَ لَا يُمْكِنُ الْفَصْلُ بَيْنَ الْحَرْفَيْنِ إلَّا بِمَشَقَّةٍ كَالظَّاءِ مَعَ الضَّادِ وَالصَّادِ مَعَ السِّينِ وَالطَّاءِ مَعَ التَّاءِ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ قَالَ أَكْثَرُهُمْ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ۔(الفتاوی الہندیۃ، ج/۱، ص/ ۱۳۷، المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)فلو في إعراب أو تخفيف مشدد أو عكسه او بزيادة حرف فأكثر ـقال الشامی :وَالْقَاعِدَةُ عِنْدَ الْمُتَقَدِّمِينَ أَنَّ مَا غَيَّرَ الْمَعْنَى تَغْيِيرًا يَكُونُ اعْتِقَادُهُ كُفْرًا يُفْسِدُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ، سَوَاءٌ كَانَ فِي الْقُرْآنِ أَوْ لَا إلَّا مَا كَانَ مِنْ تَبْدِيلِ الْجُمَلِ مَفْصُولًا بِوَقْفٍ تَامٍّ..... فَالْأَوْلَى الْأَخْذُ فِيهِ بِقَوْلِ الْمُتَقَدِّمِينَ لِانْضِبَاطِ قَوَاعِدِهِمْ وَكَوْنِ قَوْلِهِمْ أَحْوَطَ وَأَكْثَرُ الْفُرُوعِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْفَتَاوَى مُنَزَّلَةٌ عَلَيْهِ اهـ وَنَحْوُهُ فِي الْفَتْحِ۔(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، مطلب اذا قرأ قولہ تعالیٰ جدک بدون ألف لا تفسد، ج/ ۲، ص/ ۴۷۴-۴۷۷، المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)

(۹) تجارت کرنے کے اصول وضوابط

سوال : ایک شخص کے کپڑوں کی ایک دکان ہے یعنی وہ کپڑوں کی تجارت کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ شریعت کے مطابق اپنی تجارت کریں اور حلال مال کمائے تو اس کے لیے شریعت کے مطابق تجارت کرنے کا کیا طریقہ ہو گا تفصیل سے بیان کیجئے۔

جواب : تجارت کپڑے کی ہو یا کسی اور چیز کی مثلاً ساز و سامان یا چمڑے وغیرہ اگر تاجر مندرجۂ ذیل اصول کا خیال رکھے گا تو شریعت کے مطابق تجارت کرنے والا شمار ہو گا اور اس کی کمائی حلال ہو گی؛ اس میں سے چند امور یہ ہیں :

(۱) تاجر اپنے کپڑے اور سامان کو فروخت کرنے کے لیے جھوٹی قسم نہ کھائے ، صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن تین لوگوں کی طرف نظرِ رحمت نہیں کریں گے ، نہ ان سے بات کریں گے اور نہ اُن کا تزکیہ کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو اپنے سامان کو فروخت کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے۔(۱)

(۲) دھوکہ نہ دے، اور سامان کا عیب چھپا کر فروخت نہ کرے: ایسے ہی ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من غش فلیس منی۔** (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم:۲۹۵)

"جس نے دھوکہ دیا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں"۔

اسی طرح کسی کی لاعلمی یا مجبوری کا فائدہ نہ اٹھائے، مثلاً اتنا زیادہ نفع نہ لے کہ اگر خریدنے والے کو حقیقتِ حال معلوم ہو جائے تو وہ نہ خریدے، یہ غبن فاحش ہے جو ایک قسم کا دھوکہ اور امانت داری کے خلاف ہے۔ **اذا بایعت فقل لا خلابة۔**

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب مایکرہ من الخداع فی البیع، رقم:۲۱۱۷)

(۳) لوگوں کی عام ضرورت کے وقت ذخیرہ اندوزی نہ کرے۔ حدیث میں ہے:

لا یحتکر الا خاطیٔ۔ (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، حدیث:۴۲۰۷)

(۴) تجارت میں اس طرح مشغول نہ ہو کہ فرائض و واجبات میں کوتاہی ہونے لگے، جیسا کہا آج کل بہت سے تاجر پیشہ ور حضرات باجماعت نماز کا اہتمام نہیں کرتے۔(۲)

(۵) اپنی تجارت میں کوئی سودی معاملہ نہ کرے، اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملے کو لکھنے والے اور گواہ بننے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔(۳)

ان سب امور کی رعایت کرتے ہوئے اگر تجارت کی جائے تو وہ تجارت شریعت کے موافق کہلائے گی اور اس سے حاصل ہونے والی کمائی حلال ہوگی، نیز ایسی تجارت فضیلت کا سبب اور اللہ کا فضل ہے؛ اور اگر ان امور میں سے کسی میں کوتاہی کی جائے تو وہ تجارت وبال ہوگی اور ایسے تجار قیامت کے دن فجار ہوں گے۔

(۱)عن ابي ذر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ثلاثه لا يكلمهم الله يوم القيامه و لا ينظر اليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم قال فقرأها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث مرار قال أبو ذر خابوا وخسروا من هم يا رسول الله قال المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الكاذب۔ (صحیح مسلم، رقم:۲۶۱)

(۲)ويستحب للتاجر ان لا تشغله تجارته عن أداء الفرائض فاذا جاء وقت الصلاة ينبغي أن يترك تجارته۔ (الفتاوی الہندیۃ کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس والعشرون فی البیع، ج/۵، ص/۳۶۴، دار الفکر بیروت)

(۳)عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم أكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء۔ (صحیح مسلم باب لعن آکل الربا وموکلہ، ج/۳، ص/۱۲۱۸، باب احیاء التراث العربی، بیروت)

(۱۰) شرکت (Partnership) کی قسمیں اور ان کے احکام

سوال : شرکت کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور کس قسم کی شرکت جائز ہے اور کس قسم کی شرکت جائز نہیں ہے؟

جواب : شرکت اس معاملے کو کہتے ہیں جس میں دو یا دو سے زائد آدمی سرمایہ اور نفع دونوں میں شریک ہوں، شرکت کی اولاً دو قسمیں ہیں: ۱۔ شرکتِ ملک، ۲۔ شرکتِ عقد؛ پھر شرکتِ ملک کی دو قسمیں ہیں، ۱۔ جبریہ، ۲۔ اختیاریہ

جبریہ: وہ شرکتِ ملک ہے جس میں شرکاء اس طور پر مالک ہوں کہ ان کے فعل کا اس میں کوئی دخل نہ ہو جیسے کہ دو بھائیوں کا وراثت کی زمین میں شریک ہونا۔

اختیاریہ: وہ شرکتِ ملک ہے جس میں شرکاء اس طور پر مالک ہوں کہ ان کے فعل کا اس میں دخل ہو جیسے کہ دو آدمیوں کا کوئی چیز خریدنا یا دو آدمیوں کو کسی کی طرف سے کوئی چیز ہدیہ میں ملنا۔

شرکتِ ملک کا حکم یہ ہے کہ دونوں شریک آپس میں ایک دوسرے کے لئے تصرفِ مال میں اجنبی کی طرح ہوں گے اور جو کچھ نفع ہو گا دونوں کے درمیان ملکیت کے بقدر مشترک ہو گا۔

شرکت کی دوسری قسم "شرکتِ عقد" کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ شرکتِ اموال، ۲۔ شرکتِ اعمال، ۳۔ شرکتِ وجوہ۔

شرکتِ اموال یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد آدمی مل کر کچھ رقم جمع کریں اور طے کریں کہ ہم اس سے مثلاً سامانِ تجارت خریدیں گے پھر فروخت کریں گے اور جو بھی نفع حاصل ہو گا ہم آپس میں اتنا اتنا فیصد کے اعتبار سے تقسیم کرلیں گے، اس طرح کی شرکت

کا معاملہ کرنا جائز ہے۔

اور شرکتِ اعمال یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد آدمی مل کر یہ طے کریں کہ ان شرطوں کے ساتھ ہم فلاں کام مثلا سلائی کا کام مل کر کریں گے اور اس میں جو بھی نفع حاصل ہو گا اتنا اتنا تقسیم کرلیں گے اس طرح کا معاملہ کرنا بھی جائز ہے۔

اور شرکتِ وجوہ یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد آدمی مل کر یہ طے کریں (جبکہ ان کے پاس کوئی سرمایہ نہ ہو لیکن لوگوں کو ان پر بھروسہ ہو) کہ ہم ادھار میں مالِ تجارت خریدیں گے اور پھر اسے نقد میں فروخت کریں گے اور نفع ہم آپس میں اتنا اتنا تقسیم کرلیں گے تو یہ صورت بھی جائز ہے۔

پھر ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں :۱۔ شرکتِ مفاوضہ، ۲۔ شرکتِ عنان۔

شرکتِ مفاوضہ: اس معاملہ کو کہتے ہیں جس میں دونوں شریک مال میں تصرف کرنے، نفع اور ایک دوسرے کے کفیل بننے اور قرض کی ادائیگی میں برابر شریک ہوں ۔

شرکتِ عنان: اس معاملہ کو کہتے ہیں جس میں دونوں شریک مال میں تصرف کرنے، نفع میں ایک دوسرے کا کفیل بننے اور قرض کی ادائیگی میں یکساں شریک نہ ہوں۔

شرکتِ عقد کی ذکر کردہ تینوں صورتیں جائز ہیں چاہے عنان ہو یا مفاوضہ۔(۱)

اور شرکت کی کچھ عمومی شرائط ہیں جن کے بغیر شرکتِ عقود صحیح نہیں ہو گی اور وہ یہ ہیں :

(۱) جس چیز میں شرکاء شرکت کا معاملہ کریں وہ چیز ایسی ہو کہ اس میں تصرف کرنے کا کسی کو وکیل بنایا جا سکے لہذا ان چیزوں میں جن میں کوئی بھی بغیر پیسے کے مالک بن سکتا ہو ان میں شرکت کا معاملہ صحیح نہیں ہے جیسے جنگل کی لکڑیاں، سمندر یا ندی کی مچھلیاں، ان میں شرکت کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)

(۲) دونوں شریک وکیل بنانے اور خود وکیل بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔(۳)

(۳) شرکاء میں سے ہر شریک کو نفع میں ملنے والا اس کا اپنا حصہ اچھی طرح معلوم ہو، مجہول نہ ہو، جیسے نفع شدہ مال کا آدھا حصہ یا تہائی حصہ وغیرہ۔(۴)

(۴) نفع پورے مال میں سے فیصد کے تناسب سے طے ہو مال کی ایک متعین مقدار نفع کے لئے طے نہ ہو مثلاً کوئی شریک یہ کہے کہ دس ہزار میرا ہوگا تو شرکت فاسد ہوجائے گی۔(۵)

نیز شرکت میں دونوں شریکوں کا کفیل بننے کی صلاحیت رکھنا ضروری نہیں لہذا وہ بچہ جسے تجارت کی اجازت دی گئی اس کا معاملہ کرنا بھی صحیح ہوگا، اسی طرح اس قسم کی شرکت میں دونوں شریکوں کا سرمائے میں برابر رہنا بھی ضروری نہیں ہے، لہذا کسی شریک کا زیادہ سرمایہ لگانا اور کسی کا کم لگانا بھی درست ہے اور اس قسم کی شرکت میں دونوں شریکوں میں سے کسی کا اپنی الگ تجارت کرنا بھی صحیح ہے۔(۶)

سوال: شریک کو کس قسم کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے اور کس قسم کی تصرف کا اختیار نہیں ہوتا ہے؟

جواب: اگر شرکت شرکتِ عنان ہو تو شرکاء میں سے ہر ایک کو ان چند اہم تصرفات کا حق حاصل ہوگا۔

(۱) شرکاء تجارت کے کاموں کی ضرورت کے لیے ملازمین کو رکھ سکتے ہیں۔

(۲) شرکاء میں سے کوئی اپنا سرمایہ کسی اور کے پاس امانت کے طور پر رکھ سکتا ہے۔

(۳) سرمایہ کسی اور کو مضاربت پر بھی دے سکتے ہیں۔

(۴) شرکاء میں سے کوئی کسی کو خرید و فروخت کا وکیل بنا سکتا ہے۔

(۵) شرکاء میں سے کوئی بھی کسی بھی چیز کو خرید بیچ سکتا ہے خواہ وہ چیز قیمتی ہو یا سستی، اسی طرح وہ نقد اور ادھار کا بھی معاملہ کر سکتا ہے۔

(٦) تجارتی غرض کے لیے قرض لیا جا سکتا ہے البتہ کوئی بھی شریک دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر قرض نہیں دے سکتا نہ ہی رہن پر رکھ سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کر سکتا ہے یعنی وہ تمام صورتیں جن میں عقدِ شرکت کا مال ضائع ہو جاتا ہو یا جن میں کسی عوض کے بغیر مال کسی کو دینا پڑتا ہو تو ایسا کرنا کسی شریک کے لئے جائز نہیں ہے۔(۷)

(۱)الشركة هى شرعا عبارة عن عقد بين المتشاركين في الاصل والربح۔(الرد على الدر ،ج/٦،ص/٤٦٥،دارعالم الکتب،بیروت)الشركة في الاصل نوعان شركة الاملاك وشركة العقود, وشركة الاملاك نوعان نوع يثبت بفعل الشريكين ونوع يثبت بغير فعلهما اما اللذى يثبت بفعلهما فنحو ان يشتريا شيئا او يوهب لهما او يوصى لهما او يتصدق عليهما فيقبلا فيصير المشترى والموهوب والموصى به والمتصدق به مشتركا بينهما شركة ملك واما الذي يثبت بغير فعلهما فالميراث بان ورثا شيئا فيكون الموروث مشتركا بينهما شركة ملك واما شركة العقود فالكلام فيها يقع في مواضع في بيان انواعها....اما الاول فشركة العقود انواع ثلاثة شركة بالاموال وشركة بالاعمال وشركة بالوجوه اما الاول وهو الشركة بالاموال فهو ان يشترك اثنان في راس مال فيقولا اشتركنا فيه على ان نشتري ونبيع معا او شتى او اطلقا على انما رزق الله عز وجل من ربح فهو بيننا على شرط كذا واما شركة بالاعمال فهو ان يشتركا على عمل من الخياطة او القصاره او غيرهما فيقولا اشتركنا على ان نعمل فيه على ان ما رزق الله عز وجل من اجرة فهي بيننا على شرط كذا واما الشركة بالوجوه فهو ان يشتركا وليس لهما مال لكن لهما وجاهة عند الناس فيقولا اشتركنا على ان نشتري بالنسيئة ونبيعه بالنقد على ان ما رزق الله من ربح فهو بيننا على شرط كذا واما بيان جواز هذه الانواع الثلاثة فقد قال اصحابنا انها جائزة عنانا كانت او مفاوضة۔(بدائع الصنائع،ج/٥،ص/٧٣،دارالکتاب دیوبند)

ثم الشركة نوعان شركة الملك وشركة العقد فشركة الملك ان يشترك

رجلان في ملك مال وذلك نوعان ثابت بغير فعلهما كالميراث وثابت بفعلهما وذلك بقبول الشراء والحكم واحد وهو ان ما يتولد من الزيادة يكون مشتركا بينهما بقدر الملك وكل واحد منهما بمنزلة الاجنبي في التصرف في نصيب صاحبه۔

(المبسوط للسرخسی، ج/۱۱، ص/۱۵۱، کتاب الشرکۃ، دار المعرفۃ، بیروت)

(۲)في الدر وشرطها ای شركة العقد كون المعقود عليه قابلا للوكالة فلا تصح في مباح كاحتطاب في الرد قوله كاحتطاب واحتشاش واصطياد وتكد فان الملك في كل ذلك يختص بمن باشر السبب فتح...(الرد علی الدر، ج/۴، ص/۳۰۵، کتاب الشرکۃ، دار الفکر، لبنان)هى قابلية الوكالة وهي ان يكون التصرف المعقود عليه عقد الشركة قابلا للوكالة۔

(الفقہ الاسلامی مع ادلتہ، ج/۵، ص/۳۸۸۹، کتاب الشرکۃ، دار الفکر، لبنان)

(۳)فيشترط في الشركه قابلية الوكالة وان يكون كل شريك اهلا للوكالة والتوكيل۔(الفقہ الاسلامی مع ادلتہ، ج/۵، ص/۳۸۹۰، کتاب الشرکۃ، دار الفکر، لبنان)

(۴)وأن يكون الربح معلوم القدر بجزء محدد اي بحيث تكون حصة كل شريك من الربح نسبة معلومة منه كخمسه او ثلثه او عشرة في المئة۔

(الفقہ الاسلامی مع ادلتہ، ج/۵، ص/۳۸۹۰، کتاب الشرکۃ، دار الفکر، لبنان)

(۵)أن يكون الربح جزء شائعا فى الجملة لا معينا فان عينا ربحا معينا لاحدهما كعشرة او مئة كانت الشركة فاسدة ۔(الفقہ الاسلامی مع ادلتہ، ج/۵، ص/۳۸۹۰، کتاب الشرکۃ، دارا لفکر، لبنان) أما الشرائط العامة فانواع منها أهلية الوكالة لان الوكالة لازمة في الكل وهي ان يصير كل واحد منهما وكيل صاحبه في التصرف بالشراء والبيع... منها ان يكون الربح معلوم القدر فان كان مجهولا تفسد الشركة... منها ان يكون الربح جزءا شائعا في الجملة لا معينا فان عينا عشرة او مئة او نحو ذلك كانت الشركة فاسدة۔

(بدائع الصنائع، ج/۵، ص/۷۷، کتاب الشرکۃ، دار الکتاب، دیوبند)

(۶)واما شركة العنان فلا يراعى لها شرائط المفاوضة فلا يشترط فيها اهلية الكفالة حتى تصح ممن لا تصح كفالته من الصبي الماذون والعبد الماذون والمكاتب ولا المساواة بين راسي المال فيجوز مع تفاضل الشريكين في راس المال ومع ان يكون لاحدهما مال آخر يجوز عقد الشركة عليه سوى راس ماله الذي شاركه صاحبه فيه۔

(بدائع الصنائع، ج/۷، ص/۵۱۷، کتاب الشرکۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(۷)التصرف بمال الشركة لكل واحد من شريكى العنان ان يبيع مال الشركة لانهما بعقد الشركة اذن كل واحد لصاحبه ببيع مال الشركة ولان الشركة تتضمن الوكالة فيصير كل واحد من الشريكين وكيلا عن صاحبه بالبيع ولكل شريك ان يبيع مال الشركة بالنقد والنسيئة وللشريك ان يدفع المال الى شخص للمضاربة فيه وهو ظاهر الرواية عند الحنفيه والاصح وللشريك ان يؤكل بالبيع لان التوكيل دون المضاربة وله باذن شريكه ان يرهن متاعا من الشركة بدين وجب بعقد مارسه وهو الشراء... ليس لاحد الشريكين ان يهب شيئا من مال الشركة لان الهبة تبرع وهو لا يملك التبرع على شريكه كما ليس له ان يقرض شيئا من مال الشركة۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج/۵، ص/۳۹۰۳، کتاب الشرکۃ، دارالفکر، لبنان)